

بحث و نظر

از مولانا عبد القیوم حقانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ

نصاب مدارس عربیہ کی تشکیل جدید کا مسئلہ

درس نظامی، پسر منظر، پیش منظر

وفاق المدارس العربیہ کا مجوزہ نصاب شائع ہو چکا ہے۔ اور بعض مدارس میں جاری کر کے تجربہ بھی کر لیا گیا ہے اور ایک طبقہ مصر ہے کہ دینی مدارس آنکھیں بند کر کے اسے جوں کا توں قبول کرے دوسری جانب علمی حلقوں کے رد عمل کے نتیجے میں "وفاق" نے نصاب کی تشکیل جدید کے لئے ایک نئی ۲۱ رکنی نصاب کمیٹی بنادی ہے۔ ضروری تھا کہ مجوزہ نصاب اور مروج درس نظامی کا تقابلی جائزہ، دیانت دارانہ تجزیہ اور ایک علمی و تحقیقی تبصرہ کر دیا جائے تاکہ ذمہ دار علمی حلقے اور نمائندہ نصاب کمیٹی ایک مثبت اور نتیجہ خیز قدم اٹھانے میں کامیاب ہو (عبد القیوم حقانی)

درس نظامی ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایاں نقطہ ہے۔ سہالی نامی ایک گاؤں (جو لکھنؤ سے کوئی بتیس میل کے فاصلہ پر ہے جس نے آگے چل کر فرنگی محل کا لقب اختیار کیا) میں ملا نظام الدین نے قیام اختیار فرمایا۔ جو رفتہ رفتہ ایک عظیم مدرسہ اور زندہ کالج کی شکل اختیار کر گیا۔ جہاں ملا نظام الدین کے فیض کا بادل شب و روز برستا رہا۔ چنانچہ آپ کے گرد استفادہ کرنے والوں کی ایک جماعت کثیر جمع ہو گئی۔ شب و روز میں جس وقت بھی جو کچھ بولتے تھے وہی ان کا علمی لکچر ہوتا تھا۔ ان کی حرکات سکنت اذ وضع قطع اور طور طریقے ہمارے خاموش لکچر تھے۔ تلامذہ اور افادہ کا حلقہ وسیع ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اور طلباء علوم و معارف کی دولت سے مالا مال ہو رہے تھے۔ دلی اور لکھنؤ اگرچہ دارالسلطنت اور پایہ تخت تھے مگر علمی فیض رسانی کی وجہ سے سہالی کو بجا طور دارالسلطنت سے ہمسری کرنے کا دعویٰ کرنے کا حق حاصل تھا۔ جس کے پر تو فیض سے نہ صر ایشیا بلکہ آج پوری دنیا روشن اور مستنیر ہے۔

جب سہالی درس گاہ کے فیض یافتہ ملکوں ملکوں پھیلنے لگے تو دنیا بھر کو دیکھ دیکھ کر درخت کو بھی پہچاننے لگی۔

اور ملا نظام الدین کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ ابوالمعالی نامی ایک ایرانی فاضل ملا نظام الدین کی علمی عظمتوں کا شہرہ سن کر ملاقات کے لئے جب سسٹالی آیا تو دیکھا کہ ملا صاحب اپنی درس گاہ میں چٹائی پر بیٹھے درس دے رہے ہیں۔ چونکہ ابوالمعالی نے ایرانی علماء کا جاہ و جلال دیکھا تھا۔ چٹائی پر بیٹھے ہوئے سبق پڑھانے والے ملا نظام الدین کی طرف اس کا خیال بھی نہ جاسکا۔ پوچھا:

مولانا نظام الدین کہاں تشریف رکھتے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ مولانا کا حال تو میں نہیں جانتا البتہ نظام الدین میرا ہی نام ہے۔ پھر ایرانی فاضل نے آپ سے اولاً مذہب شیعہ کی روایات اور مسائل دریافت کئے۔ اور پھر اہل سنت کے مسائل و روایات پوچھے۔ آپ نے تسلی بخش جواب دئے تو ایرانی فاضل آپ کی تقریر اور علمی بحث سے بے حد متاثر ہوا۔ اور عیش عیش کر اٹھا۔

ملا نظام الدین نے کثیر تصنیفات بھی لکھی ہیں۔ مثلاً شرح مسلم الثبوت، صبح صادق، شرح حنا، حاشیہ صدر حاشیہ شمس یازنہ، حاشیہ بر حاشیہ قدیمہ، لیکن ملا صاحب کی شہرت ان تصنیفات سے کم اور اپنے مخصوص طریقہ درس کی بدولت زیادہ ہوئی ہے۔ آپ کے حلقہ درس سے علامہ سحر العلوم عبید اللہ علی ملا کمال (جن کے دامن فیض میں حمد اللہ جیسے بیگانہ روزگار نے تربیت حاصل کی ہے اور جن کی شرح مسلم نظام تعلیم میں باقاعدہ طور داخل ہے، جیسے عالم فاضل اور ماہر اساتذہ فن پیدا ہوئے۔ ملا حسن کو بھی آپ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ غیر منقسم ہندوستان میں دو سو سال سے علوم و معارف کے گلشنوں میں جو بہاریں نظر آتی ہیں اور رنگ برنگے پھول کھلے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ملا نظام الدین اور آپ کے باکمال تلامذہ نے اپنا پسینہ اور خون چھڑ کر اس کی آبیاری کی ہے۔ خدا کرے کہ اہل گلستان اس کی آبروؤں کی لاج رکھ سکیں۔

گلوں کی آبرو لٹتی ہے لیکن کچھ نہیں کہتے

خدا جانے کہ غیرت کیا ہوئی اہل گلستان کی

آج جہاں کہیں بھی علوم عربیہ کا نشان باقی ہے۔ یہ درحقیقت ملا نظام الدین اور آپ کے باکمال تلامذہ کا پرتو فیض ہے۔ ہندوستان کے جس شخص نے بھی تحصیل علم کا احرام باندھا۔ اس کا رخ درس نظامی کی طرف رہا تب کامیاب جب درس نظامی کی تکمیل کی۔ افسوس کہ اب اس کعبہ کو بھی ویران کیا جا رہا ہے۔

درس نظامی سے پہلے ہندوستان کے علماء کی ایک تصنیف بھی داخل نصاب نہ تھی۔ ملا نظام الدین نے ہندوستان

لے علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ درحقیقت ہندوستان کی خاک سے کوئی شخص اس جامعیت کا شروع اسلام سے آج تک پیدا نہیں ہوا (عق)

اپنے معاصر علماء کی اہم تصنیفات داخل درس کر دیں۔ مثلاً سلم، نور الانوار، مسلم، رشیدیہ شمس بازغہ وغیرہ۔ یہ کارنامہ آپ کی انصاف پرستی اور بلند حوصلگی کا بڑا ثبوت ہے۔ علماء میں یہ چیز بہت کم پائی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے معاصرین کی علمی برتری کا اعتراف کریں۔ مگر ملا صاحب نے اپنے وقت کے باکمال علماء کی عزت کی۔ اور ان کی کتابیں داخل درس کر دیں جب کہ اپنی کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ اپنی کوئی تصنیف بھی نصاب میں داخل نہ کر سکے۔ اس حادی اور ہمہ گیر نصاب تعلیم میں سب سے زیادہ اہم اور مقدم خصوصیت جو ملا نظام الدین اور آپ کے باکمال تلامذہ کے پیش نظر رہی یہ تھی کہ "اس نصاب کے پڑھنے والوں میں قوت مطالعہ اس قدر قوی ہو جائے کہ نصاب کی تکمیل کے بعد طالب علم جس فن کی بولسی کتاب بھی چاہے باسانی سمجھ سکے۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ :-

"اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ درس نظامی کی کتابیں اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں تو عربی زبان کی کوئی کتاب لایخل نہیں رہ سکتی۔ بخلاف درس قدیم (درس نظامی سے قبل) کے اس سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ درس نظامی کے روشن اور تاریخ ساز اور آدم گرنصاب تعلیم اور دو سو سالہ تجربات کے آئینہ میں بغیر کسی ریب و ترد کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ درس نظامی کا فاضل اور فارغ التحصیل مشکل سے مشکل نظریہ اور جدید علوم کو سمجھنے کی پوری صلاحیت اور قابلیت رکھتا ہے۔ مثلاً بطلیوسی یا فیثاغورثی علم ہیئت سمجھنے والا آج بھی یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ محض مطالعہ سے جدید ہیئت و جدید فلسفہ اور سائنس کو سمجھ لے۔ کیا شرح چغینی، صدر، شمس بازغہ اور شرح اشارات سمجھنے والا یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ جدید طبیعیات و ریاضیات کی کتابوں کو سمجھ سکے۔

درس نظامی کی دوسری خصوصیت علامہ شبلی نعمانی نے یہ بیان فرمائی ہے کہ :-

"درس نظامی کو قدیم نصاب پر اس لئے ترجیح حاصل ہے کہ ایک متوسط الذہن طالب علم سولہ سترہ برس کی عمر میں تمام کتب درسیہ سے فارغ ہو سکتا ہے چنانچہ علماء فرنگی محل میں اکثر اتنی ہی عمر میں فارغ ہو جاتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی قیسری خصوصیت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"اس نصاب میں جس قدر فقہ کی کتابیں رکھی گئی ہیں ان میں معقولی استدلال سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے اس نصاب سے وہ تقشف ظاہر پرستی اور مذہب کا بے جا تعصب پیدا نہیں ہوتا۔ جو سطحی فقہ کا خاصہ ہے۔ درس نظامی جس پر آج دست ستم دراز ہے اور ایک ایک کر کے سب کتابوں کو نصاب تعلیم سے یا تو خارج کر دیا گیا ہے یا خارج کرنے کے منصوبے اور تجاویز بن رہی ہیں۔ اس مفید اور بنیادی نظام تعلیم کی کس کس کتاب کا نام لیا جائے۔ علم حدیث میں صحت و قوت اور عظیم تر مقبولیت کے لحاظ سے محدث جلیل امام الحدیث محمد بن اسماعیل

کی جامع صحیح سے لے کر درس نظامی کی ابتدائی کتابوں علم الصیغہ، فصول اکبری، نور الایضاح، تہذیب اور ایسا فوجی وغیرہ تک کو کسی کتاب ہے جس کے بغیر نصاب تعلیم کو مکمل کیا جاسکے۔ علامہ قاضی ناصر الدین بیضاوی کی تفسیر "انوار التنزیل فی اسرار التاویل" جو کشفات کے محتویات کو صاف اور سلیس کر کے مناسب اور ضروری حذت و ترمیم اور جرح و تعدیل کے بعد مرتب کی گئی ہے کو خارج کر کے (وفاق کے مجوزہ نصاب میں اسے خارج کر دیا گیا ہے) یہ توقع عبث ہے کہ طلباء میں انجاز قرآنی اور تفسیر کشفات کو سمجھنے کی صلاحیت و استعداد پیدا ہو جائے۔ فن بلاغت اور تعبیر عبارت کی سلاست و جودت میں علامہ سعد الدین تفتازانی اور فن منطق میں جلال الدین دوانی اور حمد اللہ سندیل کے مقابلہ کی وہ کونسی چیز ہے جو مجوزہ نصاب میں رکھی گئی ہو اور یہ بتایا جاسکے یہ ان کا متبادل ہے۔ درس نظامی میں سیدہ السند کو لے لیں جن کے علم کا بحر ذخائر تمام علوم و فنون پر حاوی ہے۔ شرح مواقف سے لے کر نحو میر تک ان تمام کی تمام کتابیں افید و انفع ہیں۔ آپ اس قدر نقاد ذہن کے مالک ہیں کہ خطیب قزوینی کی شرح مفتاح و یکھ کر فرماتے

انہ کلیم بقو علیہ ذباب

اب کس کس کتاب کا رونا رو یا جائے نحو میر اور اس کی جاندار مختصر مگر پر شکوہ عبارت، میزان الصرف، ضمیر علم الصیغہ، مراح الارواح اور فصول اکبری اور اس کی خاصیات اور درسی خصوصیات سے طلبہ کے اندر جو ملکہ علمی رسوخ اور سچنگی حاصل ہوتی ہے کیا مولانا مشتاق احمد کے اردو رسائل "علم النحو" اور "علم الصرف" سے یہ کمالات حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ یا یہ ان اردو کے رسائل کو مذکورہ کتابوں کا متبادل قرار دیا جاسکتا ہے اور اگر ایک مدرسہ میں مذکورہ ساری کتابیں پڑھائی جا رہی ہوں۔ اور دوسرے مدرسہ میں صرف اردو کے دو رسائل تو کیا دونوں کو ایک برابر سند دینا علمی صلاحیتوں کا خون کر دینے کے مترادف نہیں ہے۔

مجوزہ نصاب میں اس بات کی اجازت دے دی گئی ہے کہ اگر مدارس چاہیں تو مولانا مشتاق احمد کے اردو علم الصرف کو درس نظامی کے تمام صرفی نصاب کے متبادل اختیار کر سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ اردو رسائل اس مختصر نصاب میں داخل ہونا چاہیئے جن کو درس نظامی کی تحصیل نہیں بلکہ عیدیم الفرستی کی بناء پر صرف عربی علوم سے مناسبت کے لئے دو تین سال صرف کر کے طلباء پڑھنا چاہیں ان سب بھی یہی ہے۔

تحقیق و تدقیق، سوال و جواب اور تشجیذاذہان جو درس نظامی کے مزاجی خصوصیات سے ہے۔ ان ہی خصوصیات کے بقا و تحفظ اور استحکام کے لئے علامہ عبدالحی لکھنوی نے بھی ضرورت محسوس کی اور معلمین کو دوران درس، درس نظامی کا مخصوص انداز تدریس اپنانے کے لئے "التبیان" کے نام سے میزان الصرف تک کی شرح تحریر فرمائی۔

علامہ ابن حاسب کی اختصار پسندی اور تجھے تلے جملے جن میں بال برابر حک و اضافہ کی گنجائش نہیں ہے علامہ عبد الرحمن جامی کے قیود و اعتراضات یا صدر الشریعہ کا بارعب اور با وقار طرز بیان جس میں کچھ شو شے نکالنے کے لئے علامہ تفتازانی جلیسوں کی کوششیں بھی ناکام رہیں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جس سے طلبہ کی ذہانت بڑھتی اور ملکہ منہجتا ہے حیرت ہوئی تو اس بات پر کہ مجوزہ نصاب سے شرح جامی (مبنیات) بھی خارج کر دی گئی ہے فی الجواب۔ اور اس کا نعم البدل کچھ بھی نہیں۔ اور وہ کونسی چیز ہو سکتی ہے جسے اس کا نعم البدل قرار دیا جاسکے۔ علامہ محب اللہ بہاری کی دونوں درسی کتابوں کو لے لیا جائے جن میں سلم العلوم تو منطق کی کلیات مسلمات خلافیات اور بلند و بالا تحقیقات کا ایک شاہکار ہے۔ اور اصول فقہ میں مسلم الثبوت بھی مسلم الثبوت ہے جس میں علامہ محب اللہ بہاری نے مسائل خلا فیہ، عقلیہ، نقلیہ، کلامیہ اور اصولیہ کو تقلید و اتباع سے بالا بالا ہو کر "تعاذلہم" اولی و ثانی و ثالثاً و رابعاً فصلاً اکبرہ کے طرز استدلال کا ایک عمدہ اور مختصر ڈھنگ نکالا ہے۔

وفاق کے مجوزہ نصاب میں منطق و فلسفہ اور تمام معقولات کو چھٹی دے دی گئی ہے۔ قطبی تک منطق جو نظر آتی ہے کیا اسے پڑھ لینے کے بعد واقعہ بھی طالب علم منطق کے مصطلحات سے آشنا ہو جاتا ہے؟ میرے نزدیک قطبی پڑھنے والا منطق کا مبتدی طالب علم ہے۔ ابھی اس نے منطق کے ابجد پڑھنا شروع کئے تھے کہ مجوزین نے کامل سمجھ کر دروازہ ہی بند کر دیا۔ مجوزہ نصاب سے میبندی بھی خارج ہے البتہ شرح عقائد کو بدستور رہنے دیا گیا ہے۔ مسلم الثبوت کا ایک حصہ بھی باقی رکھا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہ آ سکی۔ کہ جس نے صرف قطبی تک منطق پڑھی ہو سلم العلوم اور ملا حسن وغیرہ اور صدر و شمس باز نہ وغیرہ سے محروم رہا ہو جیسا کہ مجوزہ نصاب نے محروم کر دیا ہے تو ایسے طالب علم کو مسلم الثبوت اور شرح عقائد اور ان کے منطقی استدلالات قضا یا اور نتائج کیسے پڑھائے اور سمجھائے جائیں گے۔ بھلا وہ سمجھے گا کیا؟ چاہئے تو یہ کہ نصاب تعلیم کو اس قدر جاندار بنایا جائے کہ اسلاف کے علوم و معارف سے وابستگی مضبوط اور علمی سلسلہ مربوط ہو مگر مجوزہ نصاب میں جو راستہ اختیار کیا گیا ہے اس سے امام رازی اور امام غزالی تو کٹ کر رہ گئے امام الہند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت بھی پیدا نہ ہو سکے گی۔

درس نظامی کا ایک خاص مزاج یہ ہے کہ خالص علوم یعنی قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم میں ذہانت جودت، ذکاوت اور تحقیق و گہرائی اور گہرائی پیدا کرنے کے لئے طلباء کی دماغی صلاحیتوں کو خوب ابھارا جاتا ہے۔ اور دماغی ورزشوں والے علوم کے اکھاڑوں میں ان سے کشتیاں اور مشقی کرتب کرائے جاتے ہیں۔ اور

سلم الثبوت کو علامہ بہاری نے منطقی انداز میں تحریر فرمایا ہے مقالہ اولیٰ میں لکھتے ہیں۔ ومنہا المنطقیہ لانہم جعلوہ جزاً من الکلام وقد غننا عنہا فی السلم۔

ان کے ذہنوں سے تحقیق و تنقید، تجسس و تدقیق اور بحث و تخیص اور دماغی بیداریوں کا کام لیا جاتا ہے جس سے غور و فکر کا اعلیٰ ملک پیدا ہوتا ہے یہی وہ چیز ہے جسے درس نظامی کی روح قرار دیا جاسکتا ہے۔ بقول حضرت الاستاذ شیخنا المکرم شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے ”مجوزہ نصاب“ درس نظامی کی اس روح سے یکسر غالی ہے۔ یہ بھی غلط اور بے بنیاد سوال ہے کہ درس نظامی کے طالب علم کو عربی ادب پر عبور حاصل نہیں ہو سکتا۔ علامہ قاسم نانوتوی شیخ الہند اور علامہ انور شاہ کشمیری کی عربی دانی کو نئے نصاب تعلیم کی مرہون منت ہے۔ لامع الدرامی کے مصنف، الکوب الدری کے مرتب و محشی فتح الملہم کے مصنف، اوجز المسالك کے مصنف بدل المجهود کے مصنف و محشی، اعلام السنن کے مصنف معارف السنن کے مصنف اور دیگر سینکڑوں عربی کتب و شروح کے مصنفین درس نظامی ہی کے فاضل اور فارغ التحصیل ہیں بلکہ نہ ہتھ انتظر کا مصنف بھی وہی ہے جس نے تاریخ اور عربی ادب کا ذوق و ملکہ درس نظامی سے حاصل کیا ہے۔

آخر جس نصاب میں مفید الطالبین، روضۃ الادب، نفحۃ العرب، نفحۃ الیمین، مقامات، متنبی اور حماسہ کے علاوہ قصیدہ بردہ، قصیدہ یاسنت سعاد جیسی اہم ادبی و معیاری کتابوں کو تحقیق و تدقیق سے بڑھایا جائے بہ لفظ کی تحقیق، ہر صیغہ کی تحقیق، ہر جملہ کی ترکیب۔ بلکہ پڑھاتے وقت الفاظ کے بالوں کی کھال تک اتار دی جاتی تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے پڑھنے والے عربی ادب سے محروم رہیں گے۔

البتہ ایک اعتراف ہمیں بھی ہے۔ اور ہم سے پہلوں کو بھی، کہ ہمارے ہاں عربی، بطور عربی لینگویج کے نہیں پڑھائی جاتی۔ یہ ایک خامی ہے جس پر غور کیا جاسکتا ہے۔ اور جس کے لئے ایک صحیح اقدام کی ضرورت ہے۔ خلاصہ یہ کہ درس نظامی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ طلباء کی استعداد اور صلاحیتوں کو ناچھ مانچھ کسران کی کایا پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔ مستقبل کی تعمیر میں ماضی کے تجربات کو یکسر فراموش کر دینا کوئی دانشمندانہ اقدام نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ماضی میں درس نظامی کی اصلاح کے عنوان و تحریک سے جو مختلف مدارس قائم ہوئے تو کیا وہ کوئی انقلاب برپا کر سکے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ مدرسہ الہیہ کانپور۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ جامعہ اسلامیہ دہلی۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور ان سب چوٹی کی درسگاہوں کو جو درس نظامی کی اصلاح کا تجربہ گاہ بننا لگیا۔ کیا اس کے مفید اور انقلاب انگیز نتائج کی نشاندہی کی جاسکتی ہے؟ کیا بتایا جاسکتا ہے کہ وہ زندگی میں کوئی مفید اور کامیاب انقلاب برپا کر سکے ہوں۔ خود سید سلیمان ندوی کی زندگی میں جو انقلاب آیا یا آج سید ابوالحسن علی ندوی کو جو عظمتیں حاصل ہیں اس کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ ان حضرات نے درس نظامی کے فضلاء میں سے اپنے ربط و تعلق کو اتنا مربوط اور مضبوط کیا کہ دوسرا پہنے کی علامت بن کر رہ گیا۔

ضرورت نصاب کے بدلنے کی نہیں بلکہ جزوی اصلاح کی ہے۔ یکسر نصاب کو پلٹ کر رکھ دینا اسلاف کی کاوشوں

پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے۔ بڑا دکھ پہنچا کہ مجوزہ نصاب میں مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا محمود الحسن۔ مولانا اشرف علی تھانوی علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا حسین احمد مدنی کے دورہ حدیث کو بھی توڑ دیا گیا ہے ع

جو چاہے آپ کا حسن کمرشمہ ساز کرے

اگر اس طرح راستہ کھول دیا گیا تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آئندہ اخلاف اس کا حلیہ اور کیا بگاڑیں گے۔ حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جن کی ساری زندگی درس نظامی سے وابستہ رہی یہی پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ ہر فن اور ہر کتاب کے بارے میں ان کی رائے کو بلا ریب قبول فیصل قرار دیا جاسکتا ہے افسوس کہ سید ابوالحسن علی ندوی جیسے یگانہ روزگار بھی نصاب تعلیم سے متعلق حضرت شیخ الحدیث کے نظریہ کو اپنی "تالیف" سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا" میں جگہ نہ دے سکے۔ حضرت شیخ الحدیث آپ بیتی ص ۲۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

" اسی طرح یہ ناکارہ تبدیل نصاب کا بھی سخت مخالف ہو گیا..... اپنی ابتدائے مدرسہ میں تو تبدیل نصاب کا ضبط مجھ پر بھی سوار تھا۔ شطرنج کے کھلاڑیوں کی طرح میرا دماغ دن رات ان ہی میں گھومتا رہتا تھا..... لیکن جوں جوں تدریس کا زمانہ یا تجربہ بڑھتا رہا تبدیل نصاب کا ضبط میرے دماغ سے نکلتا رہا۔ ایک دو کتاب کا تغیر علوم آلیہ میں ہو جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں لیکن فقہ، اصول حدیث و تفسیر اور علوم آلیہ کی اہم کتب کا فیہ شرح جامی جیسی کتب میں تغیر بالکل قائل نہیں..... بڑی وجہ یہ ہے کہ انگریزی نصاب کے آئے دن کے تغیرات دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ اگر مدارس عربیہ میں بھی یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور ہر دس بارہ برس کے بعد نئی نسل اپنی جولانیوں دکھانی شروع کرے گی۔ تو یہ نصاب رفتہ رفتہ وہ شیر بن جالے گا جس کی تصویر اپنی مکر پر کھجوانی چاہی تھی لیکن دُم، ہاتھ، پاؤں، ناک، کان اور ہر ایک کے بنانے میں جو تکلیف ہوئی تو وہ یہ کہہ کر انکار کرتا رہا کہ بقیہ دم کے بغیر بھی شیر ہوتا ہے۔ اور بغیر ہاتھ کے بھی تو شیر ہوتا ہے۔ (۲) ہر محقق اور با اثر یہ چاہے گا کہ اس کی تصنیف ضرور داخل نصاب ہو جس کی نظیریں اپنی ابتدائے مدرسہ سے لے کر اب تک رہا خوب دیکھیں لیکن درس نظامی کو اللہ نے وہ مقبولیت عطا فرمائی ہے کہ اس میں عمومی کھپت کی گنجائش نہیں رہی (۳) مروج نصاب کے شروع و حواشی ضرورت سے زیادہ لکھے گئے ہیں۔ متبادل نصاب کی اتنی خدمت کرنے والے میرے خیال میں اب پیدا نہیں ہوں گے۔ لیجئے حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی رائے گرامی بھی سنتے جاسیے۔ فرماتے ہیں کہ:-

ڈھاکہ میں علمائے کرام کا اجلاس تھا۔ عصری علوم کا نصاب مروجہ کے ساتھ جوڑ کا مسئلہ زیر بحث تھا..... میرے دل میں بھی اس وقت یہ خیال آیا کہ علوم مصریہ کو داخل نصاب کرنے میں کیا حرج ہے..... لات کو

خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسجد میں کھڑا ہوں اور سامنے چٹانی کچھی ہے اور اس میں یہ عبارت بنی ہوئی ہے۔
 ”النجاح في علوم المصنف“ اور فرمایا کہ اس خواب میں پھر میں دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر پوری قوت کے ساتھ ان کلمات کے ساتھ اذان دیتا ہوں۔

”النجاح في علوم المصنف“ سید السادات ”آخری ٹکے سید السادات میں نے خود بڑھائے ہیں فرمایا کہ صبح جاگنے کے بعد دل میں سے خیال نکل گیا اور یقین ہو گیا کہ اس دور میں بھی صرف علم نبوت سے کامیابی ممکن ہے، عصری علوم کا جوڑ بالکل بے معنی ہے۔

مجوزہ نصاب میں مضامین کی کثرت، وقت کی قلت اور کتابوں کی بھرمار ہے۔ ایک ہی روز میں مسلسل گیارہ بارہ کتابیں پڑھانا، جب کہ ہر کتاب تحقیق طلب اور بحث طلب ہو گیا رہو (جو درحقیقت درس نظامی کا تیسرا درجہ ہے) سے لے کر سولہویں (دورہ حدیث) تک وہ کونسی کلاس ہے جس کا کوئی ایک پیریڈ، مطالعہ و تکرار یا تفسیر و ترجمہ کے لئے فارغ ہو۔

کتابوں کا حجم، بحث و تحقیق، اوقات اور ان کی تقسیم، نئے مضامین انٹر اور بی اے کی کتب (جیسا کہ مجوزہ نصاب میں ان کے مطالعہ و استفادہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے) سب کچھ کو مد نظر رکھ کر کافی غور و خوض کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ :-

- ۱۔ مجوزہ نصاب کی رو سے طالب علم کو تمام دن ذہنی آسودگی اور تفریح کا کوئی وقت نہیں ملے گا۔
 - ۲۔ اسباق کے تسلسل سے ذہن اور دماغ پر شدید بوجھ پڑے گا اور دماغی سکون حاصل نہ ہو سکے گا۔
 - ۳۔ تکرار اور مطالعہ کے لئے بھی وقت نکالنا مشکل ہو جائے گا اور اگر کچھ وقت مل بھی جائے تو سارے دن کا تھکا ہارا طالب علم مطالعہ کی ہمت کیسے کرے گا اور اگر مطالعہ کرے بھی تو کس کس چیز کا۔
 - ۴۔ مدرسین بھی تکمیل نصاب اور وقت کی کمی کی وجہ سے پڑھاتے وقت اختصار اور تیز رفتاری سے کام لیں گے جس سے درس نظامی کی اصل روح (بحث و تحقیق اور سوال و جواب) مجروح رہے گی۔
- وفاق المدارس کے ارباب عل و عقد کو بھی مجوزہ نصاب کے بارے میں ”رد عمل“ کے پیش نظر ۲۸ نومبر ۱۹۸۳ء کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں نصاب کمیٹی میں مزید چودہ ارکان کا اضافہ کرنا پڑا۔ اب گویا کس ارکان پر مشتمل کمیٹی نصاب تعلیم کی تشکیل جدید کرے گی جس کا پہلا اجلاس مارچ کے وسط میں بلتان میں ہوگا۔
- ہم بھی اس سلسلہ میں نصاب کمیٹی کے فاضل ارکان کو چار بنیادی اور اصولی نکات فراہم کرتے ہیں اگر انہیں ملحوظ رکھا گیا تو یقین ہے کہ بعد کار و عمل جو صلہ افراز ہے گا۔

۱۔ درس نظامی کو جوں کا توں باقی رکھا جائے۔ البتہ نظم و ضبط اور درجہ بندی کی ضرورت کے پیش نظر اس کی تشکیل

یہ دیکھ جائے۔

۲۔ منطق کی ادنیٰ کتابوں سے لے کر اعلیٰ تک صیب کو حسب معمول پڑھایا جائے۔ البتہ ملا حسن سے اوپر کی کتابوں کو اگر شدید ضرورت ہو تو درجہ مخصوص میں بھی رکھا جاسکتا ہے۔

۴۔ عربی ادب (تحریر و تقریر) پر خاص توجہ دی جائے اور اگر ضرورت ہو تو اس سلسلہ میں مفید کتابوں کا اضافہ کیا جائے۔

۵۔ نصاب تعلیم کا واحد مقصد "الدین" ہو۔ ناشی میں یہی مقصد رہا اور آئندہ بھی باقی رہے۔ "الدین" کا کسی قسم کا پیوند لگانے کی اجازت نہ دی جائے۔

مُجوزہ نصاب کی تشکیل کا اصل سبب یہی بتایا جا رہا ہے۔ اور اس کا اعتراف بھی سب کو ہے کہ حالات کے تقاضے
زمانہ کی رفتار، یونیورسٹی اور کالجز کے معیار کے ساتھ چلا جاسکے۔۔۔۔۔ اور ایک ایسا نصاب بنایا جائے۔۔۔۔۔
وہ بھی سمجھ سکیں کہ واقعہً اس میں سولہ برس صرف ہوئے ہیں۔ اور واقعہً یہ نصاب ایم۔ اے کے برابر ہے۔ اور غالباً
یہی چیز غالب تھی کہ انٹر او بی اے کی کتب کے علاوہ دسیوں مضامین کے غیر مربوط کتابوں کے پشتارہ سے
بے چارے طلباء اور اس تازہ کی سیٹھ لاد دی گئی ہے۔

لگے یاد رہے کہ ملت اسلامی کی علمی تاریخ میں یہ حقیقت مسلم ہے کہ علمی و روحانی کمالات کو دنیوی جاہ و منصب کی خواہش سے کم تعلق رہا ہے۔ سلسلہ انتظام، اصول ترقی، انضباط قواعد اور کثرت مصارف کے لحاظ سے جس قدر بھی بلند معیار تک پہنچ جائیں اور ان کے فضلاء کو کثرت سے اہم ملکی عہدے ملتے رہیں مگر یاد رہے کہ جس قدر بھی تحصیل جاہ و منصب کا پلہ بھاری ہوتا جائے گا علمی کمالات کا وزن کم ہوتا ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ ترکوں کے مدارس سے چھ سو برس کی مدت میں ایسے لوگ بہت کم اٹھے جو حکیم یا محقق کا لقب حاصل کر سکے ہوں۔

۴۵۰ھ کو نظام الملک طوسی کے ہاتھوں نظامیہ بغداد (جو ایک بہت بڑی اسلامی یونیورسٹی تھی) کی بنیاد رکھی گئی۔ دس ذیقعدہ ۴۵۹ھ کو اسے بڑی شان و شوکت سے کھولا گیا۔ علماء اور عام طلباء کے لئے بھی شاہی دربار سے وظائف اور تنخواہیں مقرر ہوئیں مگر جب ماوراء النہر کے علماء کو نظامیہ کے قائم ہونے کے حالات سے اطلاع ہوئی تو سب نے ایک مجلس قائم منعقد کی اور اس بات پر روئے کہ

”اب علم علم کے لئے نہیں بلکہ جاہ و ثروت حاصل کرنے کے لئے سیکھا جائے گا۔“